حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق لے کر چلیں تو فتح آپؐ کے قدم چومے گی۔ تمام دنیا کی فتح کا راز آپؐ کے حسن خلق میں ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 / دسمبر 1994ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۴﴾ (الحجرات:14)

فرمایا:۔

اسلامی معاشرہ کی جو تصویر قرآن کریم نے مختلف مقامات پر کھینچی ہے اور جس پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے واضح عمل کر کے دکھایا۔ اس میں جو سب سے نمایاں قابل ذکر بات ہے وہ یہ ہے کہ تمام قسم کے کینوں اور بغضوں کو اس سوسائٹی سے الگ کر کے پھینک دیا گیا اور ہر طرح سے ان کے نفوس کو گویا آسمان کے پاک پانی سے دھو کر صاف کر دیا گیا اور پھر اس کی جگہ وہ پاکیزہ پودے لگائے گئے جن کا نام تقویٰ ہے اور جب تک پہلے یہ صفائی نہ ہو اس وقت تک تقویٰ کا پودا دلوں کی سرزمین پر لگ ہی نہیں سکتا۔ یہی مضمون ہے جو قرآن کریم نے مختلف صورتوں میں بیان فرمایا، مختلف شکلوں میں ہمارے سامنے کھولا اور یہ جو ایک دوسرے پر فضیلت کے دعوے کرنا ہے، ایک دوسرے پر اپنی قومی برتری ثابت کرنا اور دوسرے کو حقیر دیکھنا ہے یہ بھی وہی رجحانات ہیں جو تقویٰ کی جڑوں کے

لئے زہریلے ثابت ہوتے ہیں اور اس ماحول میں تقویٰ پل نہیں سکتا۔

اس لئے قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے اس میں بالآخر اس مضمون کی کھل کر وضاحت فرما دی گئی ہے۔ فرمایا! اے لوگو یقیناً ہم نے تمہیں ذَکَرٍ اور اُنْثٰی یعنی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ یہاں دیکھیں قرآن کی فصاحت و بلاغت ہے کہ مسلمانوں کو یا مومنوں کو مخاطب نہیں فرمایا بلکہ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب فرمایا ہے کیونکہ دراصل اس آیت کا منطوق یہ ہے کہ اسلام صرف مسلمانوں میں بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ تمام بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس لئے ان کی مشترک تاریخ، ان کے مشترک پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے ماں باپ سب کے مرد اور عورت ہی ہیں اور اس پہلو سے تمہارے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔

وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ہم نے جو تمہیں قبیلوں اور گروہوں میں بانٹا ہے تو تمہارے دلوں میں تفریق پیدا کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسرے کی شناخت کی خاطر۔ یہ شناخت کا جو مفہوم ہے یہ ناموں سے خوب کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ ہم جب نام رکھتے ہیں یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، تو یہ مقصد تو نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے پر فضیلت دی جائے یا ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے، مقصد صرف یہی ہے کہ پہچان ہو۔ تو جس طرح انفرادی پہچان میں انفرادی نام کام آتے ہیں اسی طرح نسبتاً وسیع پہچان کے لیے قبائل اور بعض گروہی تشخصات کے پیش نظر ہم پہچان لیتے ہیں کہ فلاں قوم فلاں قسم کی ہے، فلاں جگہ سے تعلق رکھتی ہے۔ فلاں شخص فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ تو تعارف اور تعین میں آسانی ہو جاتی ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ جہاں تک عزت کا تعلق ہے یاد رکھو ان چیزوں کا، ان تقسیموں کا، عزت سے کوئی دور کا تعلق نہیں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ میں سب سے معزز خدا کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اللہ کی نظر میں جو اچھا ہے وہی حقیقت میں اچھا ہے باقی دنیا کی نظر میں تو بڑے بڑے گندے بھی اچھے بن جایا کرتے ہیں اور ان کے اچھا کہلانے کی کوئی حقیقت نہیں ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ اور اللہ ہی ہے جو تقویٰ کی پہچان رکھتا ہے کیونکہ انسان تو علیم و خبیر نہیں ہے اس لئے ہر شخص اپنے تقویٰ

کے معاملہ میں اپنے خدا کی نظر میں ہے اس بات کا خیال کرو اور وہی ہے جو تمہیں متقی قرار دے تو تم متقی ہو گے ورنہ نہیں۔

اس تعلق میں میں وہ احادیث پیش کر رہا تھا جس میں بعض معاشرے کی خرابیوں کی وجہ سے بھائی بھائی سے کٹ جاتا ہے، بہن بہن کے خلاف ہو جاتی ہے، رشتوں میں رخنے ڈالے جاتے ہیں۔ بہو اور ساس کے جھگڑے، ساس اور بہو کے وغیرہ وغیرہ اور سارا معاشرہ نفرتوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس معاشرے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی اصلاح کی جتنی بھی کوشش کی جائے وہ اس لئے کم دکھائی دیتی ہے کہ ہر ایسے خطبات کے دور کے بعد جب میں نے اپنی طرف اس مضمون کو خوب کھول کر بیان کیا پھر بھی شکایتیں جاری ہیں۔ یہ درست ہے کہ بعض جگہ سے بہت ہی خوشکن باتیں بھی سامنے آئی ہیں۔ بعض مردوں نے اپنی دیرینہ عادت کو تبدیل کر دیا اور اپنی بیویوں سے معافیاں مانگیں اور اس کے بعد ان کی بیویوں کے دعاؤں کے خطوط ملے کہ ہمارے خاوند میں تو ایک عجیب پاک تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ بعض بہوؤں نے اپنی ساسوں کو دعائیں دیں کہ پہلے میری زندگی اجیرن تھی اب تو میں بیٹی کی طرح رہتی ہوں۔ تو یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں جن سے حوصلہ بڑھتا ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿۱۰﴾ (اعلیٰ: 10) تو نصیحت کر، کرتا چلا جا کیونکہ نصیحت فائدہ ضرور پہنچاتی ہے مگر یہ کہنا کہ ان بدعادات کی بیخ کنی ہو چکی ہے، جڑوں سے اکھڑ گئی ہیں یہ درست نہیں ہے۔ یہ تو ایک دائمی جنگ ہے جو خدا کے بندوں اور شیطان کے بندوں کے درمیان چلنی ہی چلنی ہے اور بندے تو بظاہر سب خدا کے ہیں لیکن کچھ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ قرآن کے بیان کے مطابق وہ اپنے آپ کو خود شیطان کا بندہ بنا لیتے ہیں۔ پس اس پہلو سے لڑائی جاری ہے اور ہمیں کوشش یہ کرنی ہے کہ خدا کے بندے اس حد تک غالب آ جائیں اور غالب رہیں کہ ان کا حسن ہی معاشرے کی پہچان بن جائے ان چند آدمیوں کی بدی معاشرے کی پہچان نہ ہو جو ہر معاشرے میں بد انسانوں کے طور پر پائے جاتے ہیں۔ استثناء حسن نہ ہو استثناء بدصورتی بن جائے۔ یہ وہ جہاد ہے جس میں ہمیشہ مستقلاً اپنی تمام طاقتوں کو جھونکے رکھنا ہے اور یہ جہاد کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

لیکن جوں جوں اس جہاد میں ہم آگے بڑھتے ہیں بیدار مغزی سے ان چیزوں کا خیال کرتے ہیں، رفتہ رفتہ اور علاقوں کو اور جگہوں کو زرخیز بناتے چلے جاتے ہیں اور حسین بناتے چلے

جاتے ہیں۔ پس یہ محنت ہے جس سے تھکنا نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم آخری دم تک تھکے بغیر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سیرت کو اپنی سیرت بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

جہاں تک چغلی کا تعلق ہے اور اس سے ملتے جلتے عیوب کا تعلق ہے ان میں بنیادی بات وہی احساس کمتری ہے جو میں نے پہلے بیان کی تھی۔ اپنے بھائی کی کسی خوبی کو برداشت نہ کر سکنا اور احساس کمتری کا بدلہ اس طرح لینا کہ اس کی خوبی کو بدی بنا کر دکھایا جائے یا بدیوں کی تلاش کی جائے اور انہیں باہر نکال کر اچھالا جائے تا کہ لوگوں کی نظر میں جو اس کی عزت ہے وہ جاتی رہے۔ اس قسم کی تمام قبیح حرکتیں قرآن کریم نے کلیۃً منع فرمائی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو ہمارے سامنے مختلف رنگ میں کھولا ہے۔

عَنِ ابنِ عُمَرَرَضِیَ اللّٰہُ عَنہ قَالَ: صَعَدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْمِنبَرَ فَنَادٰی بِصَوْتٍ رَفِیْعٍ فَقَالَ: یَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِہٖ وَلَمْ یُفْضِ الْاِیْمَانُ اِلٰی قَلْبِہٖ لَا تُؤْذُوْا الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تُعَیِّرُوْھُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِھِمْ فَاِنَّہٗ مَنْ یَّتَّبِعُ عَوْرَۃَ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ یَتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ یَّتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحْہُ وَلَوْ فِیْ جَوْفِ رَحْلِہٖ. (ترمذی ابواب البر والصلۃ: 1955)

ترمذی ابواب البر والصلۃ سے یہ روایت لی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر بڑی پرشوکت اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے لوگو تم میں سے بعض بظاہر مسلمان ہیں لیکن ان کے دلوں میں ابھی ایمان راسخ نہیں ہوا۔ انہیں میں متنبہ کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو طعن و تشنیع کے ذریعے تکلیف نہ دیں۔ یعنی وہ جو اپنی زبان اپنے بھائیوں پر دراز کرتا ہے اور طعنے دے کر ان کو تکلیف دیتا ہے ان کے متعلق آنحضور ﷺ نے بڑے جلال کے ساتھ بڑی پرشوکت آواز میں فرمایا کہ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں فرمایا وہ مسلمانوں کو اپنے طعن و تشنیع سے تکلیف نہ دیں۔ نہ ان کے عیبوں کا کھوج لگاتے پھریں ورنہ یاد رکھیں کہ جو شخص کسی کے عیب کی جستجو میں ہوتا ہے اللہ اس کے اندر کے عیوب کو لوگوں پر ظاہر کر کے اس کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ پس اس سے زیادہ خوفناک اور کیا سزا انسان کو مل سکتی ہے کہ آپ اپنے بھائی کے عیبوں کی تلاش میں ہوں اور اللہ جو آپ کے عیوب کو جانتا ہے وہ اپنی ستاری کا پردہ اٹھالے اور آپ دنیا کے سامنے ننگے ہو جائیں۔

پس ہر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی ستاری چاہتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے بھائی سے ستاری سے کام لے کجا یہ کہ پردے اٹھا اٹھا کر جھانکے۔

ستاری کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم ننگے ہیں اور اللہ کی نظر میں ہمارے سب عیوب ہیں اس کے باوجود ہمیں ڈھانپتا ہے۔ جیسے سردیوں کی راتوں میں بعض مائیں اپنے بچوں کو اٹھ اٹھ کر ڈھانپتی ہیں۔ کہیں سے بدن باہر نکلا ہو تو اس خطرے سے کہ اس کو تکلیف نہ پہنچے یعنی ہر قسم کے جراثیم فضاؤں میں ہیں۔ ٹھنڈ کے وقت حملہ کر دیتے ہیں تو ان سے ڈھانپنے کے لئے مائیں بعض دفعہ بے چین ہو ہو کر راتوں کو اٹھتی ہیں۔ تشویش کی وجہ سے اٹھتی ہیں اور اکثر بچوں کے اوپر سے کپڑے اترے ہوئے ہوتے ہیں۔

انسان تو ایسا ننگا ہے کہ اس کی کہانی کا آغاز ہی ننگ سے ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ننگا ہو گیا تھا اور پھر مغفرت کے لئے اپنا تن ڈھانپنے کے لئے جنت کے پتے ڈھونڈتا رہا ان سے اپنے تن کو ڈھانپنے کی کوشش کرتا رہا اور اللہ نے اسے سمجھایا کہ کیسے تن کو ڈھانپا جاتا ہے اور وہ مغفرت کی دعائیں سکھائیں جن کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی عورہ کو ڈھانپ لیا، اس کے ننگ کو ڈھانپ لیا۔ ہم تو وہ انسان ہیں جن کی کہانی کا آغاز ہی ننگ سے ہوا ہے اس لئے کوئی یہ کہے کہ آدم تو ننگا تھا میں ننگا نہیں ہوں۔ آدم کے عیوب تو چھپے ہوئے نہیں تھے میرے عیوب چھپے ہوئے ہیں اور میرے قبضے میں ہیں وہ شخص بڑا ہی جاہل ہوگا اور جو ننگ کا فلسفہ ہے اس سے کلیۃً ناواقف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ننگ کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر انسان ننگا ہے سوائے اس کے کہ اللہ اس پر ستاری کی چادر ڈالے اور جب آپ کسی کے عیوب کو تلاش کرتے ہیں تو خدا کی مخالفت کرتے ہیں۔ خدا نے جو ستاری کی چادر ڈالی ہوئی ہے اسے اٹھا اٹھا کے جھانکتے ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ برداشت نہیں کرتا اور آنحضرت ﷺ خبر دیتے ہیں کہ پھر اللہ اپنی چادر اس سے کھینچ لیتا ہے اور خدا کی مغفرت اور اس کی ستاری کی چادر نہ ہو تو ہر انسان ہے ہی ننگا، عیوب سے بھرا پڑا ہے تو اس سے زیادہ اور کس طریق سے وضاحت کے ساتھ اور بڑے دردناک طریق پر لوگوں کو عیوب کی تلاش سے منع کیا جا سکتا تھا۔ اس حدیث کے سننے کے بعد، اس پر غور کرنے کے بعد انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اپنے بھائی کے عیوب کی تلاش میں رہے اور پھر تلاش کے بعد ان کی پردہ دری کرے۔ ان کو دنیا کے

سامنے اس لئے ظاہر کرے کہ وہ اسے ذلیل اور رسوا سمجھیں۔ آنحضورؐ فرماتے ہیں کہ خدا تو ایسا ہے جو وہ ظاہر کر دے تو کوئی چیز پھر اس کو چھپا نہیں سکے گی۔

پھر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک اور موقع پر فرمایا اور یہ ترمذی کتاب البر والصلہ سے روایت لی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ طعنہ زنی کرنے والا دوسروں پر لعنت کرنے والا اور فحش حرکتیں کرنے والا، جو معیوب اور ناپسندیدہ، بے ہودہ حرکتیں ہوں اور زبان کا گندا، بدکلام، بدگو، یا وہ گوئی کرنے والا ان میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہے لیس بمومن (ترمذی کتاب البر والصلہ حدیث:1900) پس مومن کی تعریف سے یہ ساری چیزیں نکال کے اس طرح باہر کر دی گئی ہیں کہ جس میں یہ موجود ہوں وہ مومن کی تعریف میں داخل ہی نہیں ہوتا بیک وقت دونوں چیزیں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ تو ہر شخص جو مومن کہلانے کا دعویدار ہے، مومن بننے کی تمنا رکھتا ہے اسے معلوم تو ہونا چاہئے کہ وہ کون سی باتیں ہیں جو اس کے ایمان کو باطل کر دیں گی۔

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اور یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے) اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو انسان کو نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ میں پڑا ہوا شہتیر وہ بھول جاتا ہے۔ (الترغیب والترہیت) اب یہ جو محاورہ ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجانا اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہ آنا، یہ اصل میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا فرمودہ محاورہ ہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ اپنی آنکھ میں اگر ذرہ سا بھی تنکا یا تنکے کا ایک حصہ بھی ہو جو اسے تکلیف دیتا ہو تو وہ انسان کو نمایاں ہو کر دکھائی دیتا ہے یوں لگتا ہے جیسے شہتیر داخل ہو گیا ہے اور دوسرے کی آنکھ میں جو تکلیف دینے والی چیزیں ہیں وہ اس کو دکھائی نہیں دیتیں۔ یہاں شہتیر اور تنکے کی مثال میں یہ فرق ہے یعنی عام روزمرہ کے انسانی تجربے سے یہ فرق ہے کہ یہاں اپنی آنکھ کے تنکے سے مراد وہ برائی ہے جو موجود ہے اور وہاں موجود ہے جہاں دکھائی دینی چاہئے، وہ تمہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اب آنکھ سے زیادہ اور کون سی جگہ ہے جہاں برائی کا علم ہو جانا چاہئے، جہاں معمولی سا ایک ذرہ بھی داخل ہو جائے تو آپ کو پتا لگ جاتا ہے کہ کوئی غیر چیز آگئی ہے اور آنکھ جو دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہے اسے اپنے اندر موجود اپنی برائیاں دکھائی نہیں دیتیں اور دوسرے کی آنکھ میں معمولی سا بھی نقص ہو کوئی، برائی کوئی ذرہ بھی پایا جاتا ہو تو اتنا بڑا ہو کر دکھائی دیتا ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا جیسے الجزعۃ ہو۔ جزعہ کھجور کے اس تنے کو کہتے ہیں جسے کاٹ کر شہتیر میں تبدیل

کیا گیا ہے۔ درست کر دیا گیا ہو یا چورس بنا دیا گیا ہو اسکو ''جزعہ'' کہتے ہیں تو فرمایا کہ وہ تو اسکو شہتیر کی طرح دیکھتا ہے۔

یہ مثال اتنی سی کافی ہے اس کے آگے کسی نصیحت کی ضرورت نہیں یہ اس رجحان کو بتاتی ہے اور اس رجحان کو آنحضرت ﷺ نے بھی پسند فرمایا ہے۔ عربی شاعر نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة

کما ان عین السخط تبدی المساویا

کہ وہ انسان بھی کیسا جاہل ہے کہ وہ آنکھ تو وہی ہے لیکن جب محبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہر برائی نظر سے غائب ہو جاتی ہے اور جب نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو جو برائی نہ بھی ہو وہ بھی دکھائی دینے لگتی ہے۔ مگر حقیقت یہ کہ یہاں مضمون جھوٹ کا نہیں چل رہا بلکہ توازن کے بگاڑ کا ہے۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی برائی تو ہوتی ہے۔ مراد یہ نہیں کہ یہاں ان لوگوں کی بحث نہیں ہے جو افترا کرتے ہیں وہ مضمون ہی الگ ہے فرمایا دیکھ لیتے ہیں۔ یعنی مومنوں سے جو مومن کہلاتے ہیں اتنی تو توقع ہے کہ بالکل بے پر کی نہیں اڑاتے۔ چھوٹا سا پر دکھائی دیتا ہے تو اس سے کوّوں کی ڈار بنا دیتے ہیں اور جب یوں کرتے ہیں تو مومن نہیں رہتے۔ اس لئے سب انسانی نفسیاتی رجحانات کا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہوئے ان سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ یعنی ان باتوں سے پردہ اٹھاتے ہیں جن سے پردہ اٹھایا جائے تو ہمارے ننگ ڈھانکے جائیں گے اور یہ پردہ اٹھانا رحمت کا نشان ہے، ان جگہوں سے پردہ اٹھاتے ہیں جہاں ہمارا امن اور جہاں شر ہے وہاں پردے ڈھانپتے ہیں۔ یہ ہیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ جنہوں نے اس اس طریقے سے اپنی امت کو سمجھایا کہ خدا گواہ ہے کبھی کسی نبی نے بلکہ انبیاء نے مل کر بھی اپنی امتوں کے لئے ایسی محنت نہیں کی۔ اس باریک نظر سے دکھائیں تو سہی کون نبی ہے جس نے باریکیوں میں اتر کر، ایسے مقامات تک پہنچ کر جو انسان کو خود اپنی آنکھ سے اپنے اندر دکھائی نہیں دیتے محمد رسول اللہ ﷺ نے دیکھا اور ان پر انگلی رکھی اور بتایا یہ جگہیں ہیں جو تمہاری دکھتی ہوئی رگیں ہیں ان کو ٹھیک کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور یہ ابو داؤد کتاب الادب سے لی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج ہوا تو میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا

جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔

اب یہ حدیث ہے اور اس قسم کی جو اس مضمون کی اور حدیثیں ہیں ضمناً ہمیں یہ بھی بتا رہی ہیں کہ معراج روحانی تھا اور جسمانی معراج نہیں تھا۔ ورنہ نعوذ باللہ من ذالک وہ لوگ جو جسمانی معراج پر زور دیتے ہیں وہ یہ کہیں گے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے جسم سمیت جہنم کی سیر پر گئے تھے۔ اب یہ ایسا خبیثانہ تصور ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی مومن اس تصور کو برداشت نہیں کر سکتا اور پھر بھی آنکھیں بند کر کے ان حدیثوں سے گزر جاتے ہیں۔ وہ کشف تھا، ایک عظیم روحانی کشف تھا، جس میں جہنم کے بھی نظارے دکھائے گئے۔ جنت کے بھی نظارے دکھائے گئے، اور تمام امت سے تعلق رکھنے والے فوائد کے امور پر بھی آپؐ کو مطلع کیا گیا اور نقصان کے امور پر بھی آپؐ کو مطلع کیا گیا۔ پس فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں دیکھا ایک ایسی قوم کے پاس سے میرا گزر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے یعنی ان کی عزت اور آبرو سے کھیلتے تھے، ان کی غیبت کرتے تھے اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پس جس گناہ کی ایسی بڑی سزا ہو اور وہ ایسا گناہ نہیں ہے جس کے اوپر انسان کی فطرت مجبور ہوئی بیٹھی ہے یا وقت کے جوش کا ایک تقاضا ہے جس کے ابتلا میں پھنس کر آپ یہ کام کر بیٹھیں۔ یہ تو ایسا بد بخت گناہ ہے جس کے چسکے بڑے آرام سے بے وجہ لئے جاتے ہیں۔ مجالس کو سنوارنے کے لئے اپنی طرف سے ایسی باتیں کی جاتی ہیں جن کے بغیر مجالس زیادہ بہتر ہوتی ہیں اور ایسے گناہ جو ہیں ان کے بعد ان کا بد اثر ضرور پیدا ہوتا ہے، یہ رہ نہیں سکتا۔ چغلی کرنے والے بھی جب مجلسوں سے ہٹتے ہوں گے تو ان میں اگر کچھ بھی شرافت ہو تو ضرور ضمیر پر بوجھ پڑ جاتا ہوگا اور بعض پھر یہ سوچتے رہتے ہیں کہ ہم کہیں ایسی بات نہیں کر بیٹھے زیادہ کہ وہاں تک پہنچے اور پھر یہ مصیبت بن جائے اور پہلے سے ہی وہ اپنے ڈیفنس بنانے لگ جاتے ہیں کہ اگر یہ ہوا تو پھر ہم یہ جواب دیں گے۔ اور اگر یہ بات ہوئی تو یہ جواب دیا جائے گا اور تیاریاں کی ہوتی ہیں۔ مجھے اس طرح پتا چلتا ہے کہ بعض دفعہ جب پوچھا جاتا ہے آپ نے یہ بات کی تھی تو اچانک نہیں پہلے سے تیار ہوتا ہے۔ صاف پتا چلتا ہے کہ اس شخص نے بات کرنے کے بعد سوچ لیا تھا کہ یہ بے وقوفی کچھ ہوگئی ہے جتنی کرنی تھی اس میں ذرا بے احتیاطی ہوئی ہے تو اپنا ڈیفنس

تیار رکھا ہوا تھا۔ تو یہ ایسا گناہ ہے جس میں بہت سی قباحتیں، بہت سی مکروہ باتیں داخل ہیں اور صاف پتا چل جاتا ہے کہ انسان جو اس گناہ میں ملوث ہے وہ بھی جانتا ہے کہ یہ صرف پھول نہیں ہیں اس میں کانٹے بھی ہیں لیکن جس کو پھول سمجھا جا رہا ہے وہ اصل میں کانٹے ہیں اور کانٹے وہ ضمیر کے کچوکے ہیں جو دراصل اسے پھول بنانے کی خاطر عطا کئے گئے ہیں تو سارا نظام ہی بگڑ گیا ہے اچھی چیز کو برا دیکھ رہے ہیں اور بری چیز کو اچھا دیکھ رہے ہیں اور بے ہودہ حرکت ہے بالکل بہت معاشرے میں اس سے نقصان پہنچتا ہے اور اگر یہ ساری باتیں نہ بھی ہوں تو صرف یہ ایک حدیث امت محمدیہ کو غیبت سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے۔

وہ جو قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ گے اسی کی تائید میں، اسی کی تشریح میں یہ حدیث ہے کہ خدا کے نزدیک تمہارا یہ کرنا واقعۃً ایسا مکروہ ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھایا جاتا ہے اور اپنے کا کھایا جاتا ہے تو قیامت کے دن مرنے کے بعد تم اپنا گوشت نوچو گے تا کہ تمہیں پتا لگے کہ یہ مزے تھے جو تم لوٹا کرتے تھے۔ وہ ظاہری گوشت تو نہیں ہوگا مگر روحانی معنے جو بھی ہیں، جس قسم کا بھی بدن ہوگا، اسکے ساتھ انسان سلوک وہی کرے گا جو اس میں بیان ہوا ہے۔

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: چغل خور جنت میں نہیں جا سکے گا **لا یدخل الجنة نمام** (مسلم کتاب الایمان حدیث: 151) کہ جو چغل خور ہے اس کے لئے جنت کے رستے بند ہو گئے ہیں۔ اب یہ کیسی جنت ہے جو ہم یہاں چغل خوری کے ذریعہ اپنے لئے بنا لیتے ہیں۔ جس پر آئندہ مرنے کے بعد کی جنت حرام ہو جاتی ہے۔ اتنی معمولی بات نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں کہ چھوٹی سی برائی ہے کوئی بات نہیں۔ بعض دفعہ میرے سامنے بھی بعض عورتیں ایسی بات شروع کرتی ہیں تو میں ان کو سمجھاتا ہوں تو ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ ہلکا سا کہتی ہیں۔ نہیں جی فلاں سے یہ بات یوں ہوگئی تھی فلاں نے یہ کر دی ہے ہم تو یونہی بات کر رہے ہیں۔ وہ یونہی بات جو ہے وہ بہت بڑی بات ہے، بہت بری بات ہے۔ ایسی ہے جو تمہاری عاقبت کو تباہ کر سکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ دو چھوٹے چھوٹے لوتھڑے ہی تو ہیں انہیں سے جنت بھی بن جاتی ہے اور جہنم بھی بن جاتی ہے۔ زبان کی ایک لغزش سے انسان جنت سے جہنم میں جا پڑتا ہے اور ایک موقع پر زبان سنبھل جائے تو وہی اس کی جہنم کو جنت بھی بنا سکتی ہے۔ تو بات

کرنا تو ہوتا ہی زبان سے ہے مگر باتیں بڑی بھاری ہو جاتی ہیں۔ بعض باتیں اتنی تلخ ہو جاتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو یہ بات اگر سمندر میں ڈالی جائے تو سارے سمندر کا مزاج بگڑ جائے، سارا سمندر ناپاک ہو جائے تو بات کو سنبھل کر کرنا اور اس پر نگرانی رکھنا بہت اہم امر ہے اور اس کے ساتھ معاشرہ بنتا بھی ہے اور بگڑتا بھی ہے۔

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے دوسرے موقع پر فرمایا، وہ شخص جو زبان کا گندا ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے اس کا کوئی بھی تعلق ایمان سے نہیں ہے۔ فحش کلامی کرنے والا، بڑھکیں مارنے والا، بے ہودہ بکواس کرنے والا، اپنے بڑوں کے خلاف زبان دراز کرنے والا یہ ساری جو صفات ہیں یہ اس ایک لفظ میں آ گئی ہیں جو اس حدیث میں بیان کیا گیا تھا۔ پس زبان کو سنبھال کر رکھنا بہت ہی اہم امر ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی یہی روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چغل خور جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا۔ حضرت ابوھریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نیفر مایا جو شخص بھی کسی کی بے چینی اور اس کے کرب کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کرب اور اس کی بے چینی دور کرے گا۔ (ترمذی کتاب البر والصلہ)

اب یہ برعکس مضمون شروع ہو رہا ہے۔ جب آپ زبان طعن دراز کرتے ہیں، کسی کو تکلیف دیتے ہیں کسی کو حقیر سمجھ کر، ذلیل کر کے۔ اس کے عیوب لوگوں کے سامنے کھول کر معاشرے میں بے چینی پھیلا دیتے ہیں، معاشرے کو کرب ناک کر دیتے ہیں اور اس کی سزا آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پھر اللہ تم سے وہ رحمت کی چادر اٹھالے گا۔ جو اٹھ جائے تو پھر تم بھی بے چین ہو جاؤ گے، تم بھی کرب ناک ہو جاؤ گے، اب اس کے برعکس منظر پیش کیا گیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے ایک جہنم کا منظر ہے اس کے مقابل پر ایک جنت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

فرمایا جو شخص بھی کسی کی بے چینی اور اس کے کرب کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کرب اور بے چینی کو دور کرے گا اور جو شخص کسی تنگ دست کے لئے آسانی مہیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لئے آسانی اور آرام کا سامان بہم پہنچائے گا۔ اب یہاں دنیا اور آخرت کہہ کر دنیا کو جو نمایاں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کی محبت انسان کو بہت سی نیک باتوں سے روک لیتی ہے، خطرہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں مال کم ہو جائے گا اور اور ذریعوں سے بے چینی دور کرنے میں

انسان کا خرچ کچھ نہیں ہوتا۔کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا کہ میں نے یہ بے چینی دور کر دی تو میرا یہ کچھ کم ہو جائے گا۔اس کے لئے تو جنت کی جزا کا ذکر کافی تھا مال خرچ کر کے کسی غریب کی مدد کرنے میں چونکہ یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں اس دنیا میں میرے اموال کم نہ ہوں تو اللہ نے اس کی بھی تسلی کروادی۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں اللہ اس کے لئے آسانی اور آرام کے سامان مہیا فرمائے گا اس لیے خدا کی خاطر خدا کے بندوں پر کچھ خرچ کرنا کسی کمی پر منتج نہیں ہوتا۔اس کے نتیجہ میں کوئی مالی نقصان اس دنیا میں بھی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا دیتا ہے اور صدقات میں برکت رکھی گئی ہے۔یہ بات ایسی ہے جس کو بعض غیر مسلم بھی سمجھتے ہیں۔ہمارے ملک ہندوستان میں بڑا ہندوستان، پاکستان بھی جس کا حصہ تھا اس میں ہندو قوم میں جو تاجر ہیں وہ دان پن کے بڑے قائل ہیں اور ایک زمانہ تھا جبکہ پارٹیشن سے پہلے مسلمانوں کی طرف سے تو شاذ کے طور پر خیراتی ادارے دکھائی دیتے تھے اور ہندو تاجروں کی طرف سے جگہ جگہ خیراتی ادارے قائم کئے جاتے تھے۔اس لئے کہ ان کا تجربہ بتاتا ہے کہ اگر بنی نوع انسان کی ہمدردی میں کچھ خرچ کیا جائے تو مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے اور یہ جو بات ہے یہ وہ خود کھلے بندوں کہتے بھی ہیں کہ ہم جو خرچ کرتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ اس سے ہمارے اموال میں برکت پڑتی ہے۔تو ایک مشرک، ایک بے دین بھی اللہ کی رحمت کا یہ تجربہ رکھتا ہے اور ان کی تجارتیں گواہ ہیں اس بات پر کہ یہ خدا پر ان کی توقع درست تھی۔بے دین ہونا ان کی اس نیکی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکا اور نہ اس اجر سے ان کو محروم کر سکا جو اس نیکی کے ساتھ خدا نے وابستہ فرما دیا ہے۔اس میں دین کا ذکر نہیں ہر انسان کے ساتھ یہ تقدیر برابر لاحق ہو چکی ہے، خدا تعالیٰ نے وابستہ کر دی ہے کہ اگر خدا کی خاطر اس کے بندوں کے لیے اپنا مال خرچ کرے گا تو اسے دنیا میں بھی برکت عطا کی جائے گی۔

پھر فرمایا آخرت میں جو ہے وہ تو بہر حال ہے ہی۔آخرت میں بھی اس کے ساتھ بہت ہی سہولت کا معاملہ کیا جائے گا اور ہم میں سے ہر شخص اس سہولت کا محتاج ہے کیونکہ اگر اعمال کو دیکھا جائے تو اعمال کے برتے پر تو جنت میں داخلہ بڑا مشکل کام ہے۔مغفرت اور درگزر اور پردہ پوشی کا جہاں تک تعلق ہے اور اللہ کے فضل کا، اس طرف سے دیکھیں تو جنت بالکل آسان دکھائی دینے لگتی ہے لیکن اس کے جو رستے خدا نے بنائے ہیں ان رستوں پر نظر رکھنی چاہئے۔اس دنیا میں

آپ خدا کے بندوں سے وہ سلوک کریں جس سلوک کی آپ خدا سے توقع رکھتے ہیں۔ اتنا آسان، اتنا واضح، اتنا معقول فارمولا ہے کہ جسے سمجھانے کے لئے کسی بڑی منطق کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ خدا کے بندوں سے حسن سلوک کریں اللہ آپ سے وعدہ فرماتا ہے کہ آپ سے حسن سلوک کرے گا اور جتنا آپ کریں گے اس سے بڑھ کر وہ حسن سلوک فرمائے گا۔ پس اس پہلو سے اتنے آسان خزانے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں، آسان خزانے جن کو حاصل کرنا بہت آسان ہے اس کے باوجود اگر ہم فاقہ کشی میں زندگی بسر کریں اور ان خزانوں سے استفادہ نہ کریں تو اس سے بڑی خودکشی اور کیا ہو سکتی ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ صرف آخرت کی پردہ پوشی کا کیا فائدہ اگر یہاں عمر بھر ہم دنیا کے سامنے ننگے اور ذلیل ہوتے رہے۔ اس خیال سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی وعدہ فرما دیا ہے اور جس کی دنیا میں پردہ پوشی ہوگی اس کو توقع رکھنی چاہئے کہ آخرت میں بھی یہ سلوک ہوگا تو پھر بھائی کے تن سے کپڑے اٹھانے کا کیا مطلب ہے۔ اپنی بہن کو ننگا دکھانے کا کیا مطلب ہے۔ پس اتنا آسان فارمولا ہے جیسے تم ہو ویسا ہی تم سے سلوک کیا جائے گا۔ یہ ہر زندگی کی دلچسپی پہ حاوی ہے اور بہت ہی آسانیاں پیدا کرنے والا ایک نسخہ ہے جو ہر کسی کے بس میں ہے۔ کوئی مشکل نیکی نہیں کرنی۔ کھڑے ہو کر عبادتیں نہیں کرنی، صرف اپنے رجحان میں کچھ پاکیزگی، کچھ شرافت، کچھ حیا پیدا کرنی ہے۔ دوسروں کی حیاء کو اپنی حیا سمجھنا ہے اور پھر توقع رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے غیر معمولی حسن سلوک فرمائے گا۔

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے یعنی جس وقت کوئی شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوا ہے اس وقت تک اس عرصے میں خدا تعالیٰ اس کا مددگار ہے۔ یہ حدیث کا بیان بھی تھوڑا سا اشکال رکھتا ہے۔ کیا مطلب ہے کہ ادھر مدد چھوڑی اور خدا نے مدد سے ہاتھ کھینچ لئے۔ یہ دراصل مدد کے رجحان کو ساری زندگی پر پھیلانے کے لئے ایک عمدہ نصیحت ہے۔ اس کے کئی معانی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص جو اپنے بھائی کے لئے اپنا وقت خرچ کر رہا ہے اور اپنے کاموں سے اس عرصہ میں وہ غافل رہا اور خطرہ ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا ہو ایسے شخص کو تسلی دی گئی ہے کہ تم نے جتنا وقت خدا کی خاطر خرچ کیا تھا تمہیں اور تمہارے اقرباء کو خدا اس کا نقصان نہیں پہنچنے دے گا۔ اللہ تمہارے کام اس عرصے میں خود کرے گا اور کروائے گا اور یہ

حقیقت ہے، یہ زندگی کے وسیع تجربے سے بات ثابت ہے تو یہ مراد نہیں کہ اللہ نے وہیں ہاتھ کھینچ لیا جب کام ختم ہوا بلکہ خدا کی مدد بعد میں بھی جاری رہتی ہے۔ تو ایک تو یہ مفہوم ہے جس کے تجربے جماعت احمدیہ میں تو اس کثرت سے ہیں کہ شاید ہی کوئی گھر ہو جس کے تجربے میں ایسی باتیں نہ ہوں۔

لیکن دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر خدا صرف اس وقت تک ضامن ہے تو پھر کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ساری زندگی میں انسان کسی نہ کسی کے لئے بھلائی کرتا رہے تا کہ ساری زندگی اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کی طرف متوجہ ہو۔ اس ذریعے سے بھلائی کے کاموں کو دوام بخشنے کا ایک طریق ہے، ایک ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے جس سے انسان میں بھلائی کے رجحان کو دوام ملتا ہے، اسے ہمیشہ کے لئے بھلائی کی طرف متوجہ رہنے کی تلقین ہوتی ہے اور جس کے لئے اللہ کو شاں رہے اس کے لئے پھر اور حاجت کیا رہ جاتی ہے باقی۔ جیسا میں نے کہا ہے اتنے کثرت سے واقعات ہوتے ہیں جماعت میں اور بعض صحابہؓ نے تو اس گُر کو ایسا پکڑا کہ ساری عمر اس سے لطف اٹھائے اور مزے بھی کئے اور کام بھی بنوائے۔

میں نے حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری کی مثال پہلے بھی ایک دفعہ خطبے میں بیان کی تھی لیکن وہ اس موقع پر ایسی چسپاں ہوتی ہے کہ اگر پھر بھی بیان کر دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بڑی ایک روح کو تازہ کرنے والی مثال ہے۔ ایک دفعہ بنگلہ دیش جب ہم گئے جماعت کے وفد کی صورت میں۔ تو اس میں حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری بھی ہمارے ساتھ تھے اور بہت دلچسپ سفر تھا، کافی جماعتیں پھرے۔ آخری دنوں میں جب ہم ڈھاکہ پہنچے تو ڈھاکہ کی جماعت نے وفد کے اعزاز میں ایک ہوٹل میں ایک دعوت کی ہوئی تھی۔ اسی وقت وہاں ایک تار پیش کی گئی جس میں یہ تھا کہ مولوی قدت اللہ صاحب سنوری کی بیوی اتنی خطرناک بیماری میں مبتلا ہیں اور اس مرحلے تک بیماری پہنچ گئی ہے کہ آج نہیں تو کل تک وہ ڈاکٹری خیال کے مطابق فوت ہو جائیں گی اس لئے درخواست ہے کہ مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری کو فوری طور پر واپس بھجوا دیا جائے یا پھر ان کے لئے تار تھی انہی کے نام ہوگی تو یہ تھا کہ آپ فوری طور پر واپس آ جائیں تو انہوں نے پڑھی اور بعض دفعہ کھانسی اس طرح کیا کرتے تھے کہ ''اوہوں'' اور جیب میں کاغذ مروڑ کر ڈال لیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا بات ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تار آئی ہے میری طرف گھر کی طرف سے، تو میں نے کہا پھر چند دن تو رہ گئے ہیں سفر میں آپ چلے جائیں واپس۔ کہتے ہیں نہ، نہ،

نہ، یہ کام نہیں کرنا۔ میں تار دے رہا ہوں کہ میں ہرگز نہیں آؤں گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے کہا آپ کی بیوی کے متعلق بتا رہے ہیں فوت ہو رہی ہے۔ آپ کہتے ہیں میں نہیں آؤں گا کیا بات ہے۔ کہتے ہیں میں خدا سے داؤ مار رہا ہوں۔ اس قسم کے الفاظ تھے، میں اللہ کو خوب سمجھتا ہوں اگر میں واپس گیا تو اس نے مرنا تو ہے ہی اور اگر میں واپس نہ گیا تو اللہ پر ڈالوں گا کہ میں تیرے کام میں تھا اور پھر پیچھے میری بیوی ماردی۔ تو میں جانتا ہوں اپنے رب کو اس نے کبھی بھی نہیں مرنے دینا اس کو۔ یہ سب باتیں ہیں اور پورا ہفتہ بعد میں ٹھہرے اور اسی دوران اطلاع بھی آ گئی کہ بیوی ٹھیک ٹھاک ہے فکر نہ کریں۔ تو یہ خدا کے بندے خدا کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح محمد رسول اللہ نے اس کا تعارف کروایا ہے ورنہ خدا کو کون جان سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ پر جس طرح خدا ظاہر ہوا ہے اس طرح آنحضور ﷺ نے ہم پر ظاہر فرما کر ہماری ساری مشکلیں آسان کر دیں اور وہ تجربے کبھی ناکام نہیں ہوتے جو محمد رسول اللہ کے بتائے ہوئے تجربے ہیں، سو فیصد یقینی باتیں ہیں۔ پس اپنے خدا سے وہ تعلق قائم کریں جس طرح وہ ہمیں سمجھا رہا ہے ایسے تعلق قائم کرو مجھ سے فائدے اٹھانے ہیں تو یہ طریقے میں تمہیں بتا دیتا ہوں پھر دیکھیں کہ زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا اپنا دوسروں سے جو سلوک تھا اب میں اس کے نمونے آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ کسی کی ادنیٰ سی تکلیف بھی آپ کو برداشت نہیں تھی، آپ کو منظور نہیں تھی اور اگر غلطی سے پہنچ جائے تو کیسے بے چین ہو جایا کرتے تھے یعنی نصیحتیں جو فرماتے تھے عمل اس شان سے کیا ہے ان نصیحتوں سے بھی بلند تر مقام آپ کا دکھائی دیتا ہے۔ نصیحتیں تو لگتا ہے جس طرح دھند زمین کے ساتھ لپٹی ہوئی ہوتی ہے اور ہم اس دھند میں ایک تصور باندھ رہے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا وجود اس سے بلند دکھائی دیتا ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آپ پر جھک گیا۔ آپ نے اسے سوٹی کی نوک سے ذرا پیچھے کیا یعنی بعض دفعہ لوگ اس طرح تنگ کرتے ہیں اور ان کا سانس سانس میں آنے لگ جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خوشبو سے بہت محبت تھی اور بدبو برداشت نہیں تھی تو یہ وجہ تو نہیں بتائی گئی کہ کیوں آپ نے ہٹایا۔ مگر مجھے تجربہ

ہے کہ بعض لوگ اتنا قریب آ کر جھک کے بات کرتے ہیں کہ ان کے سانس میں بدبو ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے بہت بڑا ابتلا انسان پر آتا ہے تو بے اختیار رسول اللہ ﷺ نے معلوم ہوتا ہے اس کو ہٹا دیا کہ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو۔ اگلی بات یہ ہے کہ جب اس سوٹی سے اس کو ہٹانے لگے تو اس کے چہرے پہ ذرا سی چوٹ آ گئی۔ جھکے ہوئے آدمی کو انسان ضروری تو نہیں کہ یوں دیکھ رہا ہو۔ سوٹی سے پرے کیا ہے وہ غلطی سے چہرے کے کسی نازک حصے پہ لگ گئی اور اس سے اس کو تھوڑا سا زخم پہنچا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ مجھ سے بدلہ لو ابھی بدلہ لو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے معاف کر دیا ہے (ابوداؤد کتاب الدیات) لیکن ایک اور موقع پر ایک اور صحابیؓ نے ایک اور ردعمل دکھایا۔

حضرت اسیدؓ بن حضیر انصاری کے بارے میں روایت ہے کہ وہ بڑے بامذاق تھے۔ مجلس میں کھل کے دلچسپ باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر معلوم ہوتا ہے ان سے کچھ زیادتی ہوگئی ہے۔ یعنی ہنسی مذاق کرنا ان معنوں میں تو معیوب نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ نہیں کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ آنحضورؐ جو خود بھی بہت مذاق فرماتے تھے لیکن بعض لوگ پھر زیادہ کر دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو یہ بات منظور نہیں تھی کہ کوئی شخص ٹھٹھے باز ہی بن جائے تو اس صورت میں آپ نے اس شخص کو اسی طرح چھڑی چبھوئی کہ ذرا سنبھلو، اشارہ تھا اور میں سمجھتا ہوں اس میں حکمت یہ تھی کہ کھل کر اگر بات کہتے تو باقی مجلس میں شاید اس کی سبکی ہوتی تو آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ چھڑی کی نوک سے اس کو میں سمجھا دوں، سمجھ جائے گا اشارہ کہ میں کچھ حد سے آگے بڑھ رہا ہوں، اس پر وہ کہنے لگا حضور میں نے تو بدلہ لینا ہے۔ آپ نے مجھے چھڑی چبھو دی ہے۔ حضور نے فرمایا! بدلہ لے لو۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ حضور آپؐ نے تو قمیص پہنی ہوئی ہے میں تو ننگے بدن ہوں۔ آپؐ نے فرمایا میں قمیص اتارتا ہوں کپڑا اٹھایا کہ آؤ اب بدلہ لے لو۔ وہ چمٹ گیا اور بار بار لپٹ کے چومنے لگا۔ جہاں جہاں اس کا بس چلتا تھا اس نے چوما، اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ میری کیا مجال تھی کہ میں بدلہ لیتا مجھے تو خدا نے یہ موقع دیا۔ (ابوداؤد کتاب الادب حدیث: 4547) یہ حسن محمد مصطفیٰ ﷺ ہے جو ایک چھوٹی سی چوٹ کے مقام سے بھی جنت کے چشمے پھوڑ دیتا ہے موسیٰ کے عصا کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ چٹان پر اس نے عصا مارا اور اس سے چشمے پھوٹ پڑے اور قرآن کریم اس کی گواہی دیتا ہے کہ ایسا ہوا۔ لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ کے عصا

کی ضرب سے جیسے جنت کے چشمے پھوٹتے ہم نے دیکھے ہیں ان کی کوئی مثال اور کہیں دکھائی نہیں دیتی، جن لوگوں کی خاطر ان چٹانوں سے چشمے بہائے گئے وہ پتھر دل ہو گئے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے جن دلوں سے رحمت کے چشمے بہائے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے جنت کی طرف مائل رہنے والے، جنت کی نہروں میں گویا غرقاب دل بن گئے، ان کے دل سے بھی جنت پھوٹتی ہے۔ وہ دل بھی جنت کے لیے بنائے گئے تھے۔ تو یہ وہ حسین معاشرہ ہے جو محمد رسول کریم ﷺ ہم میں صرف دیکھنا ہی نہیں چاہتے، اپنے عمل سے اس کی تصویریں کھینچ کر ہمیں دکھائی ہیں۔

ایک اور موقع پر حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عرب نے ان سے ذکر کیا کہ جنگ میں یعنی کسی ایسے شخص نے ان سے بات کی جس کو وہ جانتے نہیں ہیں۔ لیکن یہ پتا ہے کہ تھا وہ عرب اور جنگ حنین کا واقعہ بیان کر رہا ہے۔ اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ ہیں۔ جنگ حنین میں چونکہ بہت سے نئے آنے والے بھی شامل ہو گئے تھے بلکہ ان کی کثرت تھی اس وجہ سے سارے صحابہؓ ان سب کو جانتے نہیں تھے۔ تو کہتے ہیں کہ ایک عرب نے ان سے ذکر کیا کہ جنگ حنین میں بھیڑ کی وجہ سے اس کا پاؤں آنحضور ﷺ کے پاؤں پر جا پڑا۔ سخت قسم کی چپلی جو کہتا ہے میں نے پہن رکھی تھی۔ اس کی وجہ سے آنحضور ﷺ کا پاؤں کچلا گیا اور سخت زخمی ہو گیا۔ حضور ﷺ نے تکلیف کی وجہ سے بے اختیار ہلکا سا کوڑا مارا اور کہا بسم اللہ، تم نے میرا پاؤں زخمی کر دیا ہے اور وہ جو کوڑا کا اٹھانا اور مارنا یہ صرف ایک علامتی بے ساختہ اظہار ہوتا ہے۔ بعض دفعہ انسان ہاتھ سے دھکیلتا ہے، بعض دفعہ چھڑی سے دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کہا کہ بسم اللہ تم نے میرا پاؤں زخمی کر دیا ہے۔ کہتے ہیں مجھے اس سے بڑی ندامت ہوئی۔ ایسی ندامت کہ ساری رات میں سخت بے چین رہا کہ ہائے مجھ سے یہ کیا غلطی ہوئی۔ صبح ہوئی تو کسی نے آواز دی کہ محمد رسول اللہ ﷺ تمہیں بلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے اور گھبراہٹ ہوگئی کہ کل کی غلطی کی وجہ سے میری شامت آئی۔ اب آنحضور ﷺ مجھ سے ناراضگی کا اظہار فرمائیں گے۔ بہر حال حکم تھا میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ کل تو نے میرا پاؤں کچلا تھا اس وقت میں نے تمہیں ایک ہلکا سا کوڑا مارا تھا مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔ اس کے بدلے یہ اسّی (80) بکریاں تمہیں دے رہا ہوں یہ لے لو اور جو تمہیں تکلیف پہنچی ہے اسکو دل سے نکال دو۔ (حدیقۃ الصالحین: 32) کہتے ہیں میں حیران رہ گیا کہ یہ کیا واقعہ ہے، کیسا

رسولؐ ہے کیسا آقاؐ ہے، میں بے چین رہا ہوں ساری رات کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دکھ پہنچایا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ رات اس بے چینی میں گزارتے ہیں کہ جو بے اختیا رتھوڑا سا بدلہ مجھ سے لیا گیا اس سے مجھے تکلیف پہنچی ہے اور پھر اسّی (80) بکریاں دے کر فرمانا کہ اپنے دل سے اس واقعہ کو نکال دو اس سے پتا چلتا ہے کہ اس مقدس دل میں مسلمانوں کے لئے اور بنی نوع انسان کے لئے کتنی رحمت تھی، کیسی رافت تھی۔

جب میں اس بد بخت دنیا پر غور کرتا ہوں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں جنہوں نے تمام دنیا کو ایک دوسرے کی زبان کے طعنوں سے بچایا۔ جب میں ان لوگوں کے حالات دیکھتا ہوں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ظلم کے چرکے لگا کر، گندے الزام لگا کر تمام دنیا میں محمد رسول اللہ ﷺ کے عشاق کے دل دکھاتے ہیں تو میں ان کو حیرت سے دیکھتا ہوں کہ ان کو کیا پتا کہ کیا کر رہے ہیں جس نے تمام بنی نوع انسان کی عزت کی حفاظت فرمائی، جس نے ہر حرمت کے لئے ہمارے دلوں میں احساس جگائے کہ تمہارے بھائی کی حرمت تمہاری حرمت ہے۔ اس پر یہ لوگ اپنی بدنصیبی اور بدبختی سے ایسی ایسی بیباکیاں اور ایسی ایسی جرأتیں کرتے ہیں اور جو ادنیٰ سی بھی تکلیف پہنچانے کا سزا وار نہیں تھا، جو برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس سے کسی کو تکلیف پہنچے آج تک اس رسول ﷺ کا پیچھا یہ ظالم نہیں چھوڑ رہے اور ہر طرح سے ان کو، آپؐ کو اور آپؐ کی امت کو تکلیف پہنچانے پر بضد ہیں اور مسلسل کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر بھی دل ٹھنڈے نہیں پڑتے۔ کہاں وہ جس نے راتیں ان کی خاطر جاگ کے کاٹیں کہ ان کو تکلیف نہ پہنچے، کہاں یہ کہ جنہوں نے زمانے صرف کر دیئے آپؐ کو تکلیفیں پہنچانے میں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ انہی قوموں کے متعلق، جن کا ذکر میں کر رہا ہوں، جو عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والی قومیں ہیں، ان کے متعلق جب قرآن کریم میں بتایا گیا کہ تیرا جو انہوں نے انکار کر دیا ہے اس کے نتیجے میں آخر ان پر عذاب نازل ہوگا اور ان کو سزا دی جائے گی تو یہ سن کر محمدؐ رسول اللہ کی جو دل کی کیفیت تھی اس کو قرآن کریم یوں بیان فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ کہ اے محمد تیرے انکار کی وجہ سے جو سزائیں مقدر ہیں ان سے تجھے اتنی تکلیف پہنچی ہے کہ کیا تو ان کے غم میں اپنی جان کو ہلاک کرلے گا اور یہ جو قرآن کا

دعویٰ ہے یہ محض ایک فرضی بات نہیں ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے واقعات جو میں آپ کے سامنے پڑھ کر سنا رہا ہوں ، یہ سارے واقعات گواہ ہیں ، ایک ایک لفظ ان کا گواہ ہے کہ آنحضور ﷺ ایسا ہی دل سینے میں رکھتے تھے ، اپنوں کے لئے بے چین ہونے والا ، غیروں کی تکلیف سے بھی دکھ اٹھانے والا ، یہاں تک دشمنوں کی تکلیف کے تصور سے بھی آپ ؐ کی زندگی آپ ؐ کے سینے میں ایسی اجیرن ہو جاتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ہلاکت کا لفظ استعمال فرمایا۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ کیا تو اپنی جان کو ان دشمنوں کے غم میں ہلاک کر دیگا۔

آنحضرت ﷺ کی روزمرہ زندگی کا دستور یہ تھا یہ دستور آج بھی ہمیں اپنانا ہے، آج بھی اسی قسم کے گھریلو تعلقات کو قائم کرنا ہے تب ہم دنیا میں ایک جنتی معاشرہ دینے کے اہل ہوں گے یا کم سے کم اس کا دعویٰ کرنے کے مستحق تو سمجھے جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی سادہ تھی آپ ؐ کسی کام میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے اونٹ کو خود چارہ ڈالتے ، گھر کے کام کاج کرتے ، اپنی جوتیوں کی مرمت کر لیتے ، کپڑے کے پیوند لگاتے ، بکری کا دودھ دوہ لیتے۔ خادم کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ آٹا پیستے پیستے اگر وہ تھک جاتا تو آپ ؐ اس کی مدد فرماتے ، بازار سے گھر کا سامان اٹھا کر لانے میں شرم محسوس نہ کرتے تھے ، امیر و غریب ہر ایک سے مصافحہ کرتے ، سلام میں پہل کرتے ، اگر کوئی معمولی کھجوروں کی بھی دعوت دیتا تو آپ ؐ اسے حقیر نہ سمجھتے۔ آپ ؐ نہایت ہمدرد ، نرم مزاج اور حلیم الطبع تھے۔

آپ ؐ کا رہن سہن بڑا صاف ستھرا تھا ، بشاشت سے پیش آتے۔ تبسم آپ ؐ کے چہرے پر جھلکتا رہتا۔ آپ ؐ زور سے قہقہہ نہیں لگایا کرتے تھے ، کبھی ہنسی آئے اور قہقہہ نکلے تو ہاتھ رکھ لیتے تھے یا پگڑی کے شملے سے اپنے منہ کو ڈھانپ لیتے تھے۔ تبسم آپ ؐ کے چہرے پر ہمیشہ کھیلتا رہتا تھا۔ خدا کے خوف سے فکر مند رہتے لیکن ترش روئی اور خشکی نام کو نہ تھی ، منکسر المزاج تھے ، اس میں کسی کمزوری ، پست ہمتی کا شائبہ تک نہ تھا ، بڑے سخی لیکن بے جا خرچ کرنے سے ہمیشہ بچنے والے ، نرم دل ، رحیم و کریم ، ہر مسلمان سے مہربانی سے پیش آنے والے یعنی بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ تھے۔ اتنا پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے کہ ڈکار ہی لیتے رہیں نعوذ باللہ من ذالک کبھی حرص وطمع کے جذبے سے ہاتھ نہ

بڑھاتے بلکہ صابر وشاکر اور کم پر قانع رہنے والے تھے۔ (اسد الغابہ۔ حدیقۃ الصالحین: 37)

یہ وہ تصویر ہے جسے ہمیں اپنی زندگیوں میں دوام بخشنا ہے۔ ان سب باتوں میں ویسے نہ سہی کچھ نہ کچھ تو ایک، دو، چار قدم ان سمتوں میں آگے بڑھائیں۔ اگر ہم اس کی تھوڑی سی بھی نقل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ حسن اتنا قوی ہے، اتنا طاقتور ہے کہ اس کی تھوڑی سے جھلک بھی دنیا کو مغلوب کرنے کے لیے کافی ہے۔ پس آج جبکہ دعوت الی اللہ کا دور ہے جب خدا کے فضل سے آسمان سے ایسے سامان اتر رہے ہیں، ایسی ہوائیں چل رہی ہیں کہ تھوڑے کئے پر بھی بے شمار پھل ملنے لگے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے پھل خدا نے پہلے سے لگا رکھے تھے ہم درختوں کو ہلانا بھی نہیں جانتے تھے۔ اب ہلاتے ہیں تو پھل گرتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں یہ پھل ان پاک جھولیوں میں گرنے چاہئیں جن کے وہ لائق ہوں۔ وہ ان کی حفاظت کر سکیں، ان کی خوبیوں کو دوام بخش سکیں۔ ایسے پھل نہ ہوں کہ جو آئیں اور ہماری غفلتوں سے ضائع ہو جائیں۔ پس ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا ہے، محنت کرنی ہے، ان ہواؤں کے رخ پر چلنا ہے جو آسمان کے حکم سے چلی ہیں۔ اللہ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے اور اس غلبۂ اسلام میں آپ کا حسن خلق ہے جو سب سے بڑا کردار ادا کرے گا۔ کوئی دلیل، کوئی علم اس کے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے خلق لے کر چلیں تو فتح آپ کے قدم چومے گی۔ قلعے آپ کے لئے دروازے کھول دیں گے، تمام دنیا کی فتح کا راز حسن محمد مصطفی ﷺ ہے۔ یہ وہ کنجی ہے جس سے ہر تالا کھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین